استعمال کرتے ہیں۔ اس مرحلہ پر معترض کہہ سکتا ہے، کہ جب آپ نے حق و ضلالت میں امتیاز پیدا کرنے کیلئے ایک کسوٹی دریافت کر لی ہے اور ایک ترازو معلوم کر لی ہے، تو پھر اللہ کی مخلوق میں جو پریشان کن اختلاف موجود ہے اسکو اُٹھا کیوں نہیں دیتے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ یقیناً رفعِ اختلاف ممکن ہے، مگر یہ لوگ ہماری باتوں کو توجہ سے سنیں تو۔ ہم نے الصراط المستقیم میں ان طریقوں سے تفصیلی بحث کی ہے، جن سے اختلاف و نشتت کے دائروں کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ ان پر غور کیجیے آپ پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائیگی، کہ حق کیا ہے اور باطل کے حدود کیا ہیں؟ مصیبت یہی ہے کہ لوگ ہماری باتوں پر کان نہیں دھرتے، اور ان بحثوں سے دلچسپی کا اظہار نہیں کرتے۔ ایک گروہ نے البتہ ہماری باتوں کو توجہ تام سے سُنا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ان میں باہمی اختلاف نہ رہا۔

آپ کے امام کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اپنی روحانی قوتوں سے لوگوں کو کلمۂ حق پر جمع کر سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ انکی بات سننے پر قطعاً تیار نہ ہوں۔ اگر اس دعویٰ میں ذرا بھی صداقت موجود ہے، تو یہ کیا قصہ ہے کہ لوگوں میں اب تک اختلافات پائے جاتے ہیں آپ کے امام کی تو کیا بساط ہے، خود حضرت علیؓ جو امام الائمہ ہیں رفع اختلاف پر قدرت نہ پا سکے۔ پھر آپ کے اپنے اماموں کے بارے میں یہ عقیدہ کہ وہ جبر و قہر سے لوگوں کو سننے اور منوا لینے پر مجبور کر سکتے ہیں کہاں تک لائق قبول ہے۔ آج تک تو یہ ہوا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس میں توقف کیا ہے، اور رفعِ اختلاف کا یہ معاملہ کب تک اٹھا رکھا جائیگا۔ بلکہ ہم تو یہ کہیں گے، کہ آپ کے مزعومہ امام کی کوششوں سے اختلاف رفع تو کیا ہوتا البتہ اور بڑھ گیا ہے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے۔ کہ خدانخواستہ یہ اختلاف قتل و غارت کی صورت اختیار نہ کرے اسلامی مُلک تباہ نہ ہو جائیں۔ اور لوگوں کو شدید بدامنی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

افکارِ غزالی

(مصنفہ مولانا محمد حنیف ندوی)

اس کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے۔ کہ "احیاء العلوم" کی مختصر مگر مستند تلخیص پیش کی جائے۔ جس میں غزالی کے تمام علمی و اصلاحی افکار کی جھلک موجود ہو۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ علم اور اس کے حدود کیا ہیں؟ علماء حق یا طالبانِ آخرت اور علماءِ سو، یا شیفتگانِ رذائل دنیا میں کیا فرق ہے؟ زندگی کے فقہی انداز میں کیا قباحتیں ہیں؟ مناظرہ و جدل کیوں ناجائز ہے؟ ریاء کیا ہے؟ اخلاص کس سے تعبیر ہے؟ اصلاحِ باطن کیوں ضروری ہے؟ ظاہر و معنی میں کیا ربط ہے؟ اور کہاں کہاں؟ ہم مجبور ہیں کہ الفاظ و ظواہر کے اقتضاء کو چھوڑ کر مغز و معنی اور روح و اصل کی طرف رجوع کریں۔ اس ڈھنگ کی بیسیوں عارفانہ بحثیں ہیں جو اس کتاب کی وسعتوں میں سمٹ آئی ہیں۔ قیمت پانچ روپے۔

ملنے کا پتہ

سکریٹری، ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ ۲۔ کلب روڈ۔ لاہور۔ پاکستان۔

محمد مظہر الدین صدیقی

جنوب مشرقی ایشیا کی ثقافتی کانفرنس منعقدہ رنگون

ایک عرصہ سے دُنیا کے اہل علم مفکرین۔ ادیب، افسانہ نگار اور صحافی غرضکہ ثقافتی زندگی کے مختلف گوشوں میں کام کرنے والے یہ محسوس کر رہے ہیں، کہ انھیں اپنے اپنے شعبوں میں تخلیق، اظہارِ خیال، جمال آرائی اور حسن آفرینی کی وُہ آزادی حاصل نہیں، جو فی الواقع تخلیقی ادب اور ارتقائے علوم و فنون کے ضروری شرائط میں سے ہے۔ بیسویں صدی کی ہمہ گیر سیاست کا میلان کلیت پسندانہ (Totalitarian) ہے اور خواہ ارباب سیاست زبان سے اس کا اعتراف کریں یا نہ کریں لیکن ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ علم و ادب۔ صحافت۔ شاعری غرضکہ تمام تخلیقی فنون ان کے سیاسی اغراض کی خدمت بجا لائیں اور کوئی ایسی روش نہ اختیار کریں جو بالواسطہ یا بلا واسطہ ان کے پسندیدہ مسلمات فکر سے متصادم ہو۔ اس کلیت پسندی کی ابتدا اولاً روسی کمیونزم کی طرف سے ہوئی جس نے بیسویں صدی میں ایک نیا دین تراشا اور اس پر ساری اجتماعی زندگی کو ڈھالنے کا نہایت وسیع پیمانہ پر تجربہ کیا۔ چونکہ اس دین کے مسلّمات و عقائد زندگی کے تمام گوشوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس نے رفتہ رفتہ ادیبوں، فن کاروں، عالموں اور سائنسدانوں کو ان کے فروغ و اشاعت کے لئے بطور آلہ کار استعمال کرنا چاہا۔ اور ہر اس طرزِ خیال اور اندازِ فکر کو دبانے کی کوشش کی جس سے اس دین کے مسلّمہ عقائد کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ اِس طرح رفتہ رفتہ پوری ثقافتی زندگی اسٹیٹ کی نگرانی میں آگئی اور ہر قسم کی تخلیقی، علمی اور ثقافتی آزادی کا دائرہ تنگ ہو گیا۔ یہاں تک کہ موجودہ روس میں نہ صرف سیاسی آزادی کا نام و نشان نہیں بلکہ ثقافت، ادب اور علم و فکر کی آزادی بھی ناپید ہے۔ کئی وجوہ سے جن کی تفصیل میں ہم نہیں جا سکتے روسی کمیونزم کے سمندر سے علمی تحدید و تقیید کی جو لہر اُٹھی تھی وُہ صرف اس ملک تک محدود نہیں رہی بلکہ کم و بیش اطراف عالم میں پھیلنے لگی پہلے اطالیہ اور پھر جرمنی میں فاسطیت اور نازیت نے کمیونزم کی تقلید کی پھر دُوسرے ممالک بھی اس رو سے متاثر ہوئے چنانچہ مشرق کے بعض ممالک میں بھی کلیت پسندانہ میلانات کا ظہور عمل میں آیا۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں جنوب مشرقی ایشیا کے اکثر ممالک نے مغربی استعمار پسندوں سے آزادی حاصل کر لی لیکن چونکہ یہ آزادی کمیونزم کے خطرہ کے پیش نظر حاصل ہوئی تھی۔ اس لئے اس کا سلبی عنصر ایجابی عنصر سے زیادہ قوی تھا یعنی الجملہ سے اکثر ممالک ایسے تھے۔ جہاں جمہوری آزادی کا تصور بہت دھندلا جمہوری طرزِ فکر کمزور اور جمہوری روایات ناپائیدار تھیں۔ علاوہ ازیں مغربی اقتدار سے قبل اکثر مشرقی ممالک میں مطلق العنان شخصی حکومتیں قائم تھیں جنھوں نے عوام الناس کی روح آزادی کو کچل ڈالا تھا۔ اُمرا اور جاگیرداروں کا بھی ایک خاصا طاقتور طبقہ موجود تھا، جو فرد کی حریت رائے اور آزادیٔ عقل کو اپنے طبقاتی مفاد کے لئے مضرت رساں خیال کرتا

تھا۔ بیشتر مغربی طاقتوں نے مشرقی ملوکیت طبقہ امراء اور جاگیرداروں کو مٹانے کے بجائے انھیں اپنے مفاد کا تابع بنا کر ان کی بقاء کا سامان فراہم کر دیا۔ آزادی حاصل ہونے کے بعد اُن طبقوں کو پھر موقعہ ملا کہ وہ اپنی غیر جمہوری روایات کی طرف رجوع کریں کیونکہ مغربی دور میں بھی یہی طبقے سب سے زیادہ با اثر تھے۔ چنانچہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ مشرق کے جن ممالک میں شخصی حکومتوں کا طریقہ مغربی عہد میں قائم رہا یا زمینداروں اور جاگیرداروں کی طاقت کا خاتمہ نہیں ہوا وہاں جمہوریت بُری طرح پامال ہو رہی ہے اور آزادی تحریر و تقریر آزادی فکر اور ثقافتی سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کرنے کا میلان زیادہ نمایاں ہے غرضکہ انسان کی ثقافتی آزادی کو جو خطرات درپیش ہیں اُن میں سب سے بڑا خطرہ کمیونزم کا ہے لیکن تنہا یہی ایک خطرہ نہیں بلکہ دقیانوسی مطلق العنانی، جاگیردارانہ اور امیرانہ روایات نے بھی مل جل کر مشرقی ممالک میں ثقافت کی آزادی کو بہت کچھ محدود کر رکھا ہے۔

ان حالات کے پیش نظر ثقافتی آزادی کی حفاظت کے طریقوں پر غور کرنے کے لئے ۱۷ فروری ۱۹۵۵ء تا ۲۰ فروری برما کے دارالسلطنت رنگون میں ثقافتی آزادی کی ایک کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا جس میں پاکستان۔ ہندوستان۔ جاپان۔ سیلون۔ برما انڈونیشیا۔ فلپائن۔ تھائی لینڈ۔ کمبوڈیا۔ ملایا اور چین کے نمائندے شریک ہوئے۔ یہ کانفرنس ہندوستان کی مجلس آزادی ثقافت اور برما کی انجمن توسیع روایات جمہوری کی متحدہ کوششوں کا نتیجہ تھی۔ پاکستان سے مسٹر اے کے بروہی سابق وزیر قانون اور مسٹر سرور حسن ڈائرکٹر انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل آفیرس کراچی کے علاوہ راقم الحروف بھی شریک تھا۔ چونکہ اس کانفرنس میں ایسے مسائل زیر بحث آئے جن کا تعلق ہماری ثقافتی اور علمی زندگی سے بھی ہے اس لئے میں ان صفحات میں کانفرنس کے تاثرات درج کروں گا تاکہ ہم بیرونی ممالک کے ادیبوں۔ مفکروں۔ صحافیوں اور فن کاروں کے خیالات سے بھی مستفید ہو سکیں۔ نیز اپنے ملک میں بھی عقلی اور ثقافتی آزادی کو فروغ دینے کی کوشش کریں۔

کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے جسٹس اوچان نے جو برما کی انجمن توسیع روایات جمہوری کے صدر ہیں برما کی جمہوری روایات پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے فرمایا کہ برمی لوگ بدھ مذہب کے پیرو ہیں اور اپنے مذہبی عقیدہ کی رو سے اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ زمانہ اور حالات کے تغیر سے انسان کے تصورات میں لازماً تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اس لئے ہم برمی لوگ کسی سیکولر نظام فکر کی غلامی قبول کرنے پر تیار نہیں۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ تمام لوگ پیدائشی اعتبار سے بالکل مساوی اور یکساں ہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ انسانوں کے درمیان صلاحیتوں اور طبائع کے لحاظ سے بیحد فرق ہے۔ لیکن ہمارا یہ عقیدہ ضرور ہے کہ سارے انسان حقوق کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ آگے چل کر جسٹس اوچان نے بتایا کہ برما کی نئی نسل کو جمہوری تعلیم دی جا رہی ہے لیکن اس میں بدھ مذہب کی تعلیم کا عنصر غالب ہے۔ کیونکہ ہمارے یہاں جمہوریت کا تصور بدھ مذہب کی تعلیمات سے ماخوذ ہے اور اس سے منفک کر کے ہم اپنی جمہوریت کو فروغ نہیں دے سکتے۔ جسٹس موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ ابتدائے تاریخ سے ایشیائی زندگی روحانی خطوط پر ترقی کر رہی ہے۔ اس روحانیت کے پیدا کرنے میں بدھ مذہب۔ ہندومت اور اسلام نے بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ اس لئے ہمارا یقین ہے کہ ایشیائی ثقافت اسی روحانی فضا میں نشوونما پا سکتی ہے۔ جس کی تخلیق ان تین بڑے مذاہب نے

کی ہے۔ انھوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ ایسے بیرونی تصورات جو ہماری روحانی روایات و تصوّرات سے مطابقت نہیں رکھتے ایشیائی ثقافت کے لئے نہایت مضرت رساں ثابت ہو چکے ہیں۔ غیر دینی اور مخالف مذہب خیالات نے ہمارے کلچر کو اور زیادہ نقصان پہنچایا یا آخر میں انھوں نے سوال کیا کہ اگر مذہبی آزادی کی عدم موجودگی میں ثقافتی ترقی ممکن نہیں، تو ایسے حالات میں ثقافت کی ترقی کا کیا امکان ہے۔ جبکہ مذہب ہی سرے سے ناپید ہو یا اس کے فروغ و ترقی کے راستہ میں مشکلات پیدا کر دی گئی ہوں۔

اس کے بعد رنگون کے میئر اُو با نے تقریر فرماتے ہوئے بتایا کہ ثقافت ہی وُہ چیز ہے جو انسان کو حیوانات سے ممیز کرتی ہے۔ انسان صرف مادّی حوائج کا بندہ نہیں بلکہ وہ کچھ عقلی اور روحانی احتیاجات بھی رکھتا ہے۔ انسانی ثقافت انھیں عقلی اور روحانی احتیاجات کی بدولت معرض وجود میں آئی ہے۔ اسی لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ انسان صرف روٹی کے بل زندہ نہیں رہتا، البتہ روٹی بقائے حیات انسانی کی ایک لازمی شرط ہے اور یہ درست ہے کہ بھوکے آدمی کو خدا بھی روٹی کی شکل میں نظر آتا ہے لیکن جونہیں انسان کی بنیادی ضروریات پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی ہیں اس کی روح آزاد ہو جاتی ہے اور وُہ تصوّرات و افکار اور روحانی امنگوں کی دُنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ کمیونزم کی بڑھتی ہوئی رو کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے بتایا، کہ یہ ایک نیا استعمار ہے جس نے امن عالم، عوامی جمہوریت اور اسی قسم کے خوشنما نعروں کے زور سے ایشیا کے کئی ملکوں میں فرد کی آزادی کو مٹا ڈالا، جنوب مشرقی ایشیا کے تمام ممالک اس کے دام تزویر میں پھنس سکتے ہیں اگر ہماری معاشی منصوبہ بندی اور ٹکنالوجی کا محرک یہ جذبہ ہو کہ کسی نہ کسی طرح ایک مختصر مدّت میں ہم امیرانہ معیار کی زندگی بسر کرنے لگیں اور اگر ہم اپنی معیشت کی اصلاح میں اپنے اپنے مذاہب اور روایتی فلسفوں کو قرار واقعی اہمیت دینے میں ناکام رہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ موجودہ پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کرنے میں اہل ثقافت سب سے زیادہ حصّہ لے سکتے ہیں کیونکہ سیاست دانوں کے برخلاف ان کا معاملہ انسانوں سے ہے اور ان بنیادی انسانی قدروں سے جو تاریخی تجربات سے حاصل ہوئی ہیں فلسفی، ادیب، شعراء، مفکرین اور تاریخ داں انسانی جذبات و حسیات اور انسانی افکار سے جتنی گہری واقفیت رکھتے ہیں اتنی واقفیت سیاستدانوں کے لئے ممکن نہیں۔

اس کے بعد کانفرنس کے مباحث کا آغاز ہوا۔ چونکہ اکثر نمائندوں نے اپنے مضامین کانفرنس کے آغاز سے پہلے ہی روانہ کر دیئے تھے۔ اس لئے انھیں مضامین کو بحث کا موضوع قرار دیا گیا۔ کانفرنس کے دوران میں جاپان فلپائن اور تھائی لینڈ کے نمائندوں نے جو تقریریں کیں ان سب میں ایک مشترک خیال پایا جاتا تھا اور وُہ یہ کہ ان ممالک کے مفکرین اور اہل علم کسی نہ کسی صورت میں مذہبی احیاء کے آرزو مند ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک میں مذہبی احیاء کی تحریک کافی طاقتور ہے ان لوگوں کا خیال تھا، کہ ایشیائی اقوام اپنی روحانیت کو زندہ کئے بغیر ان مسائل سے عہدہ برا نہیں ہو سکتیں جن سے وُہ اس وقت دوچار ہیں۔ چنانچہ فلپائن کے نمائندوں نے بتایا کہ انھوں نے مغرب کی جمہوریت اور لبرل تحریک کو تو قبول کیا لیکن اس میں مادیّت اور لادینیت کے جتنے عناصر تھے انھیں رد کر دیا۔ مذہب اور ثقافتی آزادی کے تعلق کی اہمیّت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ کانفرنس نے پہلے دن کا بیشتر حصّہ مذہبی مسئلہ پر بحث کرنے میں صرف کیا اور جب بعض نمائندوں نے